Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

سارہ جمالی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ءاردو گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج لاڑکانہ۔

پیر حسام الدین راشدی کی اردو ادبی خدمات

Sara Jamali
Assistant Professor Government Girls Degree College Larkana

Pir Hussamuddin Rashidi's Urdu Literary Services

Pir Hussamuddin Rashidi was a famous journalist, historian, scholar and political analyst of his time. He was born on 20th September 1911 in Behman village Near Nusrat Railway Station Taluka Rattodero District Larkana. He was founder member of Sindhi Adabi Board, Urdu College Karachi, Urdu Trust Karachi, Institution of Central and West Asian Studies, Karachi University, Idara-e-Yaadgaar-e-Ghalib etc. He had also been the Chairman of Advisory Council of Sindh University, member of Syndicate of Sindh University. Pir Hussamuddin was basically a historian and it was with reference to history that he viewed other Sciences and Arts.Today Sindhi new generation is treading the path of Scholarship and research in the light of Pir Sahib's work. Pir Sahib introduced the tradition of modern research in Sindh. The Government of Pakistan, in 1964, conferred on him the literary award Sitaara-e-Imtiaz for his meritorious services in the fields of literature and history. He expired on 1st April 1982. He is buried in the historical graveyard of Makli, Thattaa, Sindh, Pakistan.
Keywords: Pir Hussamuddin Rashidi, Idara-e-Yaadgaar-e-Ghalib,

پیر حسام الدین راشدی کا شمار اردو زبان کے بہی خواہوں میں ہوتا ہے۔ وہ اردو زبان اور تہذیبِ اودھ اور حیدر آباد دکن کی تہذیب کے عاشق، بلا کے فن پرست اور اہلِ علم واہلِ فن کے شدید پرستار تھے۔ پیر حسام الدین راشدی کا نام صفِ اوّل کے چند ادیبوں میں ہوتا ہے۔ تاریخ اور تاریخ کا مطالعہ ان کا خاص موضوع تھا اور اس مضمون پر وہ بڑی گہری نظر اور دسترس رکھتے تھے، اور ان کی یہی خوبی تھی کہ نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ ان سے فیض حاصل کرنے روزانہ ان سے ملنے اور سیکھنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ ہر طالب علم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اُسے علم کی دولت سے سیراب کرتے تھے۔ پیر حسام الدین راشدی ایک متبحّر عالم اور اسکالر ہونے کے باوجود نہایت حلیم الطبع انسان تھے۔ پیر صاحب اور مرحوم ممتاز حسن دونوں نے شہرِ کراچی اور سندھ میوزیم کے لیے بہت کام کیا، انہیں نادر اشیاء، عجائب گھروں اور قدیم آرکیٹیکچر سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اور اس شعبے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، انہیں فارسی، سندھی اور اردو مخطوطات سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور وہ مشکل سے مشکل مخطوطات کو بڑی آسانی سے پڑھ سکتے تھے اور ان کا مفہوم سمجھا سکتے تھے۔ کراچی میں انہوں نے سینکڑوں پبلک اور ادبی جلسوں کی صدارت کی اور معرکتہ الآراء تقاریر کیں۔ سندھ کے کونے کونے میں اس مشن کو لے کر جاتے اور سندھی عوام کو علم وادب سے واقف کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی علمی وسعت اور شہرت پاکستان تک محدود نہ تھی بلکہ متعدد ممالک میں ایک بڑے ادبی اسکالر اور محقق کے طور پر جائے اور پہچانے جاتے تھے۔ خاص طور سے علومِ شرقیہ کے ماہرین انکا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کو متعدد بار غیر ممالک میں علمی وادبی سیمیناروں میں شرکت کے لئے مدعو بھی کیا گیا۔ سندھ کی تہذیب اور تاریخ پر انہوں نے جو گراں قدر تحقیق کی ہے وہ خاص قابلِ ذکر ہیں اور اس شعبے میں ان کی خدمات کو سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔(1)

ڈاکٹر جمیل جالبی دسمبر 1982ع کے ماہنامہ "قومی زبان" میں لکھتے ہیں کہ "پیر حسام الدین راشدی بنیادی طور پر تاریخ کے عالم تھے اور تاریخ کے حوالے ہی سے ان کی نظر مختلف علوم وفنون پر تھی، پیر صاحب نے سندھ کی تاریخ وتہذیب کے ان بنیادی مآخذ کو مرتب وشائع کر کے سندھ کی علمی وتہذیبی زندگی کو حیاتِ نو بخشی۔ آج جو سندھ کی نئی نسل علمی وتحقیقی کام کر رہی ہے وہ پیر صاحب کی تالیفات ہی سے روشنی حاصل کر رہی ہے۔

پیر صاحب نے جدید تحقیق کی روایات کو اہلِ سندھ سے روشناس کرایا۔ان کی یہ خدمات تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی"۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں ان کے دم سے اردو شعر وادب پر بڑی بہار رہی، محفلوں کی رونق بڑھی، ذوق وشوق بڑھااور فن کا چرچا ہوا۔ان کے جمشید روڈ والے بنگلے پر اسٹیٹ بینک کے گورنر ممتاز حسن مرحوم، جوش ملیح آبادی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر جمیل جالبی اور کئی دیگر نامور شعراءاور ادباء بلاناغہ شام کو محفل سجاتے تھے۔

مولوی عبدالحق مرحوم کو جب انجمنِ ترقیءاردو کے دفتر کے لئے موزوں جگہ کی تلاش تھی تو یہی پیر حسام الدین راشدی ہی تھے جنہوں نے شادھرا مندر گجراتی ہندو مندر) میں انجمنِ ترقیءاردو کا دفتر قائم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر شادھرا مندر میں انجمن کا دفتر قائم کروا کر دم لیا۔اردو کالج کے لئے زمین کا حصول پیر حسام الدین راشدی کا مرہونِ منت ہے جسکا اعتراف بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنی تقریر میں اور جمیل الدین عالی روزنامہ جنگ میں کر چکے ہیں۔(2)

اردو کالج کے الحاق کا جب وقت آیا تو کراچی یونیورسٹی کے کرتا دھرتا اور صاحبِ اختیار لوگوں نے انکار کیا تو یہی پیر صاحب تھے جنھوں نے بڑی تگ ودو کے بعد اردو کالج کا الحاق کراچی یونیورسٹی سے کرا کے سکھ کا سانس لیا۔ترقیءاردو بورڈ کراچی جو اردو زبان کی عظیم لغت کی تالیف واشاعت کے لئے قائم ہوا۔ پیر صاحب شروع سے اس کی مجلس میں انتظامیہ کے رکن رہے۔ وہ بورڈ کے کاموں میں پوری دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ جب مرکزی اردو بورڈ لاہور کا قیام عمل میں آیا تو بحیثیتِ ایڈیٹر پیر صاحب کا تقرر ہوا وہ بورڈ کے اشاعتی منصوبوں میں مشیرِ خاص رہے۔ماثرالامراء صمصام الدولہ (شاہنواز خان)، سیر العارفین (جمائی) اور طبقاتِ اکبری خواجہ نظام الدین (احمد بخشی) کے اردو تراجم کے منصوبے پیر صاحب کی تجویز وتائید سے روبعمل آئے۔ مولوی اعجاز الحق قدوسی کی کتابیں "تذکرہ صوفیائے نگال"، "تذکرہ صوفیائے سڑحد" اور "سیر الاولیاء" (اردو ترجمہ) پیر صاحب کی کوششوں سے طبع وشائع ہوئیں۔ پیر صاحب پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی مجلسِ عاملہ کے رکن رہے۔ سوسائٹی کے کاموں میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔1960ء میں جب کراچی میں ہسٹری کانفرنس کا انعقاد ہوا تو پیر صاحب کانفرنس کے تمام مندوبین کو ٹھٹھہ کی سیر کرانے لے گئے۔ قیام اور مہمان داری کی ذمہ داری پیر صاحب نے اپنے سر پر لی۔اس کانفرنس میں انہوں نے عہدِ جہانگیر کے گورنر "غیرت خاں" پر اردو میں ایک تحقیقی مقالہ پڑھا۔ جو مؤرخین کے لئے ایک نئی دریافت تھا۔ پیر صاحب ہی کی تحریک پر تاریخِ فیروز شاہی (برنی) کا اردو ترجمہ مرکزی اردو بورڈ کی طرف سے شائع ہوا۔

رسالہ سب رس (کراچی) کے ایڈیٹر خواجہ حمید الدین شاہد نے جب "ایوانِ اردو" قائم کیا تو پیر صاحب اس کے نائب صدر اور اُس کی ادبی محفلوں کی شمعِ فرزاں قرار پائے۔ادارہءیادگارِ غالب (کراچی) کے بھی وہ نائب صدر تھے۔انہوں نے ادارہ کے کاموں اور اسکی ترقی میں پوری دلچسپی لی۔جب 1969ء میں ادارہ کی طرف سے غالب کی صد سالہ تقریبات منعقد ہوئیں تو اس موقع پر پیر صاحب مرزا ظفر الحسن کے مشیر ورفیق اور معین و مددگار رہے۔ کتابوں کی طباعت اور اس سے متعلق جملہ کاموں کی ذمہ داری پیر صاحب نے قبول کی۔ مرزا ظفر الحسن، عبدالرؤف عرج اور پیر صاحب کی روزانہ نشست رات کو دس بجے سے ایک بجے تک ہوتی تھی۔(3)

طباعت واشاعت کے متعلق مشورے اور معاملات طے ہوتے تھے اور بقول مرزا ظفر الحسن "میخانہ طباعت کے پیر مغاں وہی تھے"۔ مولانا غلام رسول مہر (لاہور)، مولانا عبدالقادر (پشاور) اور پروفیسر حمید احمد خان (لاہور) سے علمی مذاکرے ہو رہے ہیں۔ دعوتیں ہو رہی ہیں۔ استقبالئے دیئے جارہے ہیں۔ان مجالس میں پیر صاحب کی مرکزی حیثیت ہوتی تھی۔اسی موقع پر پیر صاحب کی کتاب "دودِ چراغِ محفل" ادارہءیادگارِ غالب کی طرف سے شائع ہوئی۔

پیر صاحب اقبال اکیڈمی (کراچی) سے بھی گہرا رابطہ وواسطہ رکھتے تھے۔بشیر احمد ڈار (مرحوم)، ڈائریکٹر مقرر ہوئے تو شعرائے کشمیر کا ایک منصوبہ پیر صاحب کے سپرد کیا جو انہوں نے پانچ جلدوں میں مکمل کیا۔ پیر صاحب سندھی ادبی بورڈ کے بانیوں میں سے تھے۔اس ادارہ کے ذریعے سندھ کی تاریخ، ادب، ثقافت پر خوب کام کیا۔

پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے نامور علماء، محقق اور ادیب مثلاً مولانا امتیاز علی عرشی، مالک رام، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر نذیر احمد، پروفیسر خلیق احمد نظامی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ڈاکٹر ضیاءالدین ڈیسائی وغیرہ ان کے حلقۂ احباب میں تھے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص پاکستان (کراچی) آتا تو اسکے اعزاز میں پیر صاحب کے یہاں شاندار دعوتیں ہوتی تھیں اور اہلِ علم کا اجتماع ہوتا تھا۔

پیر صاحب نہ صرف اردو میں اظہار وابلاغ پر دسترس رکھتے تھے بلکہ ان کے یہاں ادب وانشاء کا انداز ملتا ہے۔ ان کو اظہارِ بیان اور روزمرہ پر پوری قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے ہنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اور شاہد احمد دہلوی پر جو مضامین لکھے ہیں، وہ اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ شاہد احمد دِلّی کے رہنے والے تھے، قلعہ ءمعلیٰ کی زبان پر قادر تھے۔ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی دہلی کی زبان کے بغیر کوئی لفظ ان کے منہ سے نہیں نکلا۔ زبان اور قلم سے عمر بھر اسی زبان کی خدمت کرتے رہے تھے، روزمرہ، محاورے، الفاظ، ان کے معانی اور معنی کے تمام پہلوؤں سے وہ نہ فقط واقف تھے بلکہ آخری دور میں اگر انہیں ہم یکتائے روزگار کہیں تو قطعی بے جا نہ ہوگا۔

دِلّی کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، دراصل یہ دارالسلطنت کے لوگ ہیں، شہزادوں کے اطوار کی کچھ کچھ جھلکیاں ان میں موجود ہیں۔ مٹتے مٹتے بھی ان کی طبیعتوں میں چلبلے پن کے آثار باقی رہ جاتے ہیں جی میں آیا تو ان کے سامنے جاہل بھی عالم قرار پائے اور ان پڑھ بھی مسندِ علم پر بیٹھ گئے اور اگر مزاج نے قبول نہ کیا تو تحصیل علم کی ہزار پگڑیاں کیوں نہ باندھ رکھی ہوں لیکن جاہل مطلق شمار کئے گئے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے، آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے۔(4)

انہوں نے اردو میں بہت سے مضامین اور تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔ ان کے بعض مقالے اسی نوعیت کے ہیں کہ ان کی اساس وبنیاد پر ایک تحقیقی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایران وسندھ کے تعلقات پر انہوں نے جو مقالہ لکھا ہے وہ اسی نوع کا ہے۔ 1952ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی زیرِ صدارت پیر صاحب نے "سندھ میں اردو" کے موضوع پر جو مقالہ لکھا ہے وہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یاد رہے کہ اردو، ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور حکومت اور تمدنی روابط کی بدولت اس طرح وجود میں آئی کہ اسلامی زبانوں کے ہزارہا الفاظ ہندی زبانوں میں شامل ہوگئے۔ اور اہلِ ہند، ہندو ہوں یا مسلمان انہیں سمجھنے اور بولنے لگے۔ بے شبہ اردو کو اپنی موجودہ معیاری شکل اختیار کرنے میں بہت مدت لگی اور مختلف مدارج اور مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ لیکن اگر اس کے وجود میں آنے کا وہ سبب جو اوپر بیان ہوا، مسلم ہے تو یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہیں ان کی زبان عربی اور پھر فارسی کا ہندی زبانوں سے ارتباط واختلاط شروع ہوا۔ لہٰذا یہ ایک واضح امر ہے کہ اردو کا اصلی مولد سندھ ہے۔(5)

یہ مقالہ رسالہ اردو جنوری تا اپریل 1953ء اور اس کے مابعد شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔(6)

راشدی صاحب نے اردو کتب کی ترتیب اور تحریر و تکمیل میں اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ صرف کیا ان کتب میں مرزا غازی بیگ ترخان اور بزم ادب اور دودِ چراغ محفل اردو ادب میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔(7)

1۔ سندھی ادب:

یہ کتاب اردو زبان میں سندھی ادب کی مختصر تاریخ ہے۔ یہ کتاب حکومتِ پاکستان کے اصرار پر اردو زبان میں پاکستان پبلی کیشنز کی طرف سے 1952ء میں چھپی۔ اس کتاب کا روسی اور سندھی زبان میں ترجمہ بھی ہوا۔ یہ ایڈیشن گرامی اشاعت گھر دولت پور صفن ضلع (نواب شاہ) کی جانب سے غلام علی باگانی نے 1981ء میں شائع کیا۔ ترجمہ غلام محمد لاکھو نے کیا جس نے بعد کی ادبی بنیاد پر مفصل مقالہ، مقدمے کے طور پر ایڈیشن میں شامل کیا۔

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں ارغون، ترخان، مغل، کلہوڑا، تالپور، برطانوی اور پاکستانی عہد میں سندھی ادب کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ راشدی صاحب نے سندھی ادب کی اردو زبان میں بہت جامع تاریخ تحریر کی ہے۔ اس کتاب کی زبان وبیان سادہ زبان میں بیان کی گئی ہے۔

2۔ ہفت مقالہ:

شہنشاہ ایران کی جشن تاج پوشی 1967ء کے موقع پر انجمنِ ترقی اردو پاکستان نے فارسی زبان وادب پر چند کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے ایک کتاب "ہفت مقالہ" ہے۔ انجمن کے تحقیقی مجلہ "اردو" میں فارسی زبان وادب پر بہت سے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان کا ایک انتخاب

"ہفت مقالہ" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی تقویم و ترتیب و انتخاب کے فرائض پیر صاحب نے انجام دیئے ہیں۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل سات مقالے شامل ہیں۔

1۔ تصنیفاتِ شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمتہ (حافظ محمود خان شیرانی)

2۔ شاہنامہ کا دیباچہء قدیم (حکیم شمس اللہ قادری)

3۔ فردوسی کا مذہب (پروفیسر شیخ محمد اقبال)

4۔ رباعیاتِ عمر خیام (عبدالباری آسی لکھنوی)

5۔ خیام مؤلف سید سلیمان ندوی پر ایک عروضی نظر (معشوق حسین اطہر ہاپوڑی)

6۔ فارسی کے زیر سایہ اردو کی تدریجی ترقی (ڈاکٹر سید عبداللہ)

7۔ نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان (صاحبِ ماثرالامرا) (محمد حسین محوی صدیقی)

3۔ دودِچراغِ محفل:

غالب کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر پیر صاحب کی یہ کتاب ادارہء یادگارِ غالب کراچی نے مارچ 1969ء میں شائع کی۔ غالب کے عنوان پر یہ ایک مفید اضافہ ہے۔ اس میں ایسے 5 فارسی گو شعراء کا تذکرہ شامل ہے جن کا کسی نہ کسی طرح غالب سے تعلق رہا۔ اس کتاب کا پیش لفظ حقیقت حال، جو خود مصنف نے لکھا ہے، نہایت ہی پُر لطف ہے۔ یہ کتاب درج ذیل مقالوں پر مشتمل ہے۔

1۔ ناطق مکرانی	معترضِ غالب
2۔ خادم بردوانی	غالب کا ملاقاتی
3۔ رسوا بجنوری	غلاب کا ہمنوا
4۔ شاہ باقر بگائی	شاگردِ غالب
5۔ مولانا طرزی ہاپوڑی	شاگردِ غالب

یہ کتاب "مولانا غلام رسول مہر کے نام معنون کی گئی ہے۔

4۔ مرزا غازی بیگ ترخان اور ان کی بزمِ ادب:

مرزا غازی بیگ ترخان (962-1021ھ) اکبری اور جہانگیری دور کا معارف پرور اور علم دوست امیر تھا۔ وہ شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ فارسی زبان کے بہت سے شعراء اُس کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد (1021ھ) اس صوبے پر مکمل مغل راج قائم ہو گیا اور مرکز سے صوبیدار مقرر ہونے لگے۔ مرزا غازی بیگ کے متعلق راشدی صاحب نے مفصل مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ انجمن ترقیءاردو کے مجلہ "تاریخ و سیاسیات" میں مئی 1954ء اور اگست 1954ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ بعد میں مصنف نے اس عنوان پر کام جاری رکھا اور آگے چل کر مزید تحقیق کے بعد مفصل کتاب تیار کی۔ یہ کتاب بھی انجمنِ ترقیءاردو نے 1970ء میں شائع کی۔

5۔ مولانا محب علی سندھی:

مولانا محب علی سندھی، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد کے ممتاز بزرگ، عالم اور شاعر تھے۔ وہ آخر الذکر دونوں بادشاہوں کے درباری امراء میں رہے۔ پیر صاحب نے نہایت تحقیق و تلاش سے ان کے حالات مرتب کیے ہیں۔ یہ کتاب 20x30/8 سائز کے 37 صفحات پر مشتمل ہے۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے "تقریب" کے عنوان سے تعارف لکھا ہے۔ یہ کتاب 1950ء میں ادبی پریس کراچی سے طبع کرا کے پیر صاحب نے خود شائع کی۔ (8)

پیر حسام الدین راشدی نے اردو میں مختلف موضوعات پر مختصر و مفصل مقالے بھی لکھے ہیں۔ ذیل میں ان مقالوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ فتاویٰ عالمگیر کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے اجداد:

فتاویٰ عالمگیری، برصغیر کی ایک مشہور دینی تالیف ہے جو اورنگ زیب کے دور میں تیار ہوئی۔ اس کا عربی نام "الفتاوی الھندیہ ہے"۔ اس کی تیاری میں دیگر علماء کے علاوہ سندھ کے دو علماء نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ اعظم گڑھ (ہندوستان) سے ماہوار رسالہ "معارف" چھپتا ہے۔ اس کے دسمبر 1946ء اور جنوری 1947ء کے شماروں میں مولانا مجیب اللہ ندوی کا مقالہ "فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین" کے سلسلے میں شائع ہوا تھا۔ سید حسام الدین راشدی نے اسی حوالے سے سندھی بزرگوں کی خدمات پر قلم اٹھایا اور ایک مضمون تحریر کیا۔ یہ مضمون "معارف" شمارہ 6، جلد 69، سال 1947ء میں شائع ہوا۔ راشدی صاحب کی یہ اولین اردو تحریر ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور نے مولانا مجیب اللہ صاحب کا مذکورہ مقالہ کتابی صورت میں "فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں اور مواد کے ساتھ راشدی صاحب کا مضمون بھی دیا گیا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ مضمون ابو ظفر ندوی کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس میں کچھ تحریف بھی کر دی گئی ہے۔ راشدی صاحب کے اس مضمون کا سندھی ترجمہ عبدالرسول قادری نے کیا اور رسالہ "مہران" (2-1990ء) میں شائع ہوا۔

2۔ مولانا محب علی سندھی:

مولانا محب علی سندھی مغل دور کے مشہور عالم اور صوفی تھے، جن کے ساتھ صاحبِ اقتدار لوگ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ راشدی صاحب نے اس مقالے میں مفصل طور پر مولانا کی سوانح ترتیب دی ہے اور ان کے فارسی اشعار بھی دیئے ہیں۔ یہ مقالہ "سہ ماہی اردو" کے اکتوبر 1950ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ (2)

ایک سال بعد "ملا محب علی سندھی" کے عنوان سے ایک اور مقالہ سہ ماہی "اردو" کے اکتوبر 1951ء کے پرچے میں چھپا۔ یہ مقالہ محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری نے لکھا اور مولانا کی سوانح کے حوالے سے بعض دلچسپ اور مفید اضافے کیے۔ راشد برہان پوری مرحوم نے ایک خاندانی بیاض سے ثابت کیا کہ مولانا محب علی 982ھ میں پیدا ہوئے اور 1055ھ میں وفات کی۔ راشدی صاحب کا یہ مقالہ قاضی احمد میاں اختر کی "تقریب" سے اکتوبر 1950ء میں ہی ایک کتابچے کی صورت میں بھی مشتہر ہوا۔ اس مقالے کا سندھی خلاصہ بھی شائع ہوا۔

3۔ میر ابوالقاسم نمکین اور اس کا خاندان:

میر ابوالقاسم کا تعلق ہرات کے ایک سادات خانوادے سے تھا اور وہ اکبر کے دور میں یہاں کے سیاسی اور فوجی افق پر نمودار ہوئے۔ اکبر اور پھر جہانگیر کے زمانے میں ابوالقاسم سبی، بکھر اور سہون میں عملدار مقرر ہوئے۔ ابوالقاسم نے سندھ کو اپنا اختیاری وطن بنالیا۔ جب فوت ہوئے تب روہڑی میں دفن ہوئے۔ ان کے خاندان نے تین صدیوں تک سندھ میں سیاسی، فوجی اور علمی خدمات سرانجام دیں۔ اس خاندان کے بعض لوگوں نے سہون میں رہائش اختیار کی اور کچھ افراد ٹھٹھہ میں بس گئے۔ بعد میں ابوالقاسم کی اولاد سندھ میں "امیر خانی" کے نسبتی نام سے مشہور ہوئی، سید حسام الدین راشدی نے اس خانوادے پر مفصل تحقیق کی اور یہ مقالہ تیار کیا، جو انجمن کے جریدے "تاریخ و سیاسیات" میں دو قسطوں میں اپریل 1951ء اور اکتوبر 1951ء میں شائع ہوا۔

4۔ اردو زبان کا اصل مولد سندھ:

یہ مضمون فروری 1951ء میں سندھ کے شہر خیرپور میرس (Mir's) میں منعقدہ اردو کانفرنس میں پیش کیا گیا اور پھر سہ ماہی "اردو" کے اپریل 1951ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ راشدی صاحب نے تیس برس بعد لکھا کہ، سندھ میں اردو کے جنم کے حوالے سے میں نے جو رائے دی اس کی کوئی تاریخی وقعت نہیں ہے۔ لسانی طور پر بھی اس نظریے کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ ایک جذباتی قسم کی رائے تھی۔ اس طرح سندھ میں اردو کا جنم ثابت نہیں ہوتا اور اس عنوان پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ اردو کے جنم کے حوالے سے راشدی صاحب کی اس رائے کو اب تک نظرانداز کیا گیا ہے اور آپ کا پرانا نظریہ متواتر گردش میں ہے۔

5۔ سندھ کے اردو شعراء:

یہ مقالہ سہ ماہی "اردو" کے اکتوبر 1951ء کے پرچے میں شائع ہوا۔ اردو کے حوالے سے مصنف کے دو مضامین (1۔ اردو زبان کا اصل موجود سندھ اور 2۔ سندھ کے اردو شعراء) بعد میں ایک ساتھ اور الگ الگ بھی چھپتے رہے ہیں۔ ان مضامین کی بدولت ہی آگے چل کر سندھ میں، اردو کے ارتقاء اور ترقی پر مفصل کام ہونے لگا۔ "سندھ میں اردو شاعری" ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سال 1947ء میں 71 شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس میں سے قابل ذکر نام درج ذیل ہیں۔

1۔ ملاں عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی، 2۔ سید ثابت علی شاہ، 3۔ میاں محمد سرفراز عباسی، 4۔ حافظ عبدالوہاب عرف سچے ڈنہ، سچل، 5۔ روحل فقیر، 6۔ میر حیدر الدین ابوتراب کامل، 7۔ میر محمود صابر، 8۔ میر ضیاءالدین ضیاء، 9۔ حمل خان لغاری، 10۔ قادر بخش بیدل، 11۔ میر حسین علی خاں تالپور ، 12۔ سید غلام محمد شاہ گدا، 13۔ میر علی نواز شاں تالپور ناز، 14۔ مرزا قلیچ بیگ، 15۔ میر عبدالحسین خاں سانگی وغیرہ وغیرہ۔

6۔ بوعلی ابن سینا کی تصانیف

مصنف نے یہ مختصر مضمون تھیوسوفیکل ہال کراچی کے ایک جلسے میں پڑھا اور اس کو ماہنامہ "فاران" کراچی کے ستمبر 1952ء کے شمارے میں شائع کرلیا۔ یہ مضمون ویسے تو مختصر ہے لیکن اس کی اہمیت پھر بھی برقرار ہے۔

7۔ مرزا غازی بیگ ترخان:

مرزا غازی بیگ سندھ میں ترخان خاندان (962 ۔ 1021ھ) کے آخری حکمران تھے۔ ان کی وفات کے بعد (1021ھ) صوبے پر براہِ راست مغل راج قائم ہوگیا اور مرکز سے صوبیدار مقرر ہونے لگے۔ مرزا غازی کے متعلق راشدی صاحب نے مفصل مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ انجمنِ ترقی اردو کے مجلہ "تاریخ وسیاسیات" میں مئی 1954ء اور اگست 1954ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ بعد میں مصنف نے اس عنوان پر کام جاری رکھا اور آگے چل کر مزید تحقیق کے بعد ایک مفصل کتاب تیار کی۔ یہ کتاب بھی انجمنِ ترقی اردو نے سال 1970ء میں شائع کی۔

8۔ تاریخِ سندھ کے ماخذ:

تاریخِ سندھ کے بنیادی ماخذوں پر یہ مقالہ جولائی 1954ء میں ماہ نامہ "ریاض" کراچی میں شائع ہوا۔ اس مقالے میں سندھ کی تاریخ کے بارے میں فارسی زبان کے 56 ماخذوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ جب یہ مقالہ لکھا گیا اس وقت سندھ کی تاریخ کے بنیادی ماخذات کی تلاش اور ان پر تحقیقی کام کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ سندھی ادبی بورڈ کا قیام عمل میں آچکا تھا اور اسی ادارے کی طرف سے تاریخِ سندھ کے بنیادی ماخذ ترتیب اور تدوین کے بعد شائع کرنے کا پروگرام بن رہا تھا۔ اگلے تیس برس میں بورڈ نے عملی طور پر بہت کام کیا اور اس مقالے میں ذکر کردہ پندرہ سے بھی زیادہ ماخذ شائع ہوئے لیکن اس ضمن میں بیشتر کام پھر بھی راشدی صاحب نے کیا۔ بورڈ کے علاوہ کچھ اور اداروں نے بھی زیادہ ماخذ شائع کیے۔ راشدی صاحب کا یہ مقالہ تاریخِ سندھ کے ماخذات کے حوالے سے نہایت وقیع مقالہ ہے۔

9۔ غالب اور خادم

یہ مختصر تحریر نادرات سلسلے کے تحت، ترقی اردو بورڈ کراچی کے "اردو نامہ" ستمبر 1963ء میں شائع ہوئی۔

10۔ ڈاکٹر عشرت حسین زبیری:

یہ مختصر تاثر نما تحریر "اردو نامہ" کے شمارے 22 دسمبر 1965ء میں شائع ہوئی۔ اردو مشاہیر کے حوالے سے لکھنے کی، راشدی صاحب کی یہ ابتدائی کوشش تھی۔

11۔ ایک عالی دماغ تھا نہ رہا:

یہ مختصر تاثر اردو کے مشہور ادیب علامہ نیاز فتح پوری کی یاد میں لکھا گیا اور ماہنامہ "نگار" پاکستان کے جون 1966ء کے شمارے میں طبع ہوا۔

12۔ کیفی دتاتریہ:

کیفی دتاتریہ یہ مولوی عبدالحق کے دیرینہ دوست اور اردو کے محقق اور ماہر لسانیات تھے۔ ان کی مشہور کتابیں "کیفیہ" اور "منشورات" ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جب کراچی میں انجمنِ ترقی اردو پاکستان کی بنیاد پڑی، تب وہ مولوی عبدالحق کے ساتھ کراچی آئے، لیکن کچھ وقت کے بعد واپس ہندوستان لوٹ گئے۔ راشدی صاحب نے اس مضمون میں کیفی سے متعلق خصوصاً کراچی میں گذرے دنوں کو یاد کیا ہے اس مضمون میں بعض دلچسپ حقائق سامنے آئے ہیں۔ یہ مضمون سہ ماہی "اردو" اکتوبر 1966ء میں شائع ہوا۔

13۔ سندھ اور ایران کے تعلقات:

یہ مقالہ اصل میں فارسی زبان میں لکھا گیا اور ستمبر 1966ء میں ایران شناسی کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس (تہران) میں پڑھا گیا۔ بعد میں مصنف نے اس کو اردو میں ترجمہ کر کے (نقوش) لاہور کے خاص نمبر 106، اکتوبر دسمبر 1966ء میں شائع کرایا۔

14۔ قاہرہ میوزیم میں چند گھنٹے:

نو صفحات پر مشتمل یہ معلوماتی مضمون سہ ماہی "الزبیر" کے کتب خانہ شمارہ نمبر 11 میں 1967ء میں اردو اکیڈمی بہاولپور سے شائع ہوا۔

اس مضمون میں قاہرہ میوزم میں موجود نوادرات کی فہرست جو انہوں نے مرتب کی تھی اسے پیش کیا ہے تاکہ "پڑھنے والوں کو بھی اس میوزیم کے نوادرات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے" (ص 553)۔ اس میں مصحف قرآنی کے علاوہ عربی کی 23، فارسی ادب کی 30 کتابوں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔

حسام الدین راشدی کی زبان بہت سادہ و رواں ہے۔ روز مرہ و محاورے کا بھی موزوں و بر محل استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں طنز و مزاح بھی ہے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

"میں چند روز پیشتر بھی قاہرہ کے اس عظیم الشان عجائب گھر کو دیکھ چکا تھا لیکن اس موقع پر میرے ساتھ پاکستان کا صحافتی وفد بھی ساتھ تھا۔ یہ قوم تو جانی پہچانی ہے۔ لکھتے لکھاتے تو یہ لوگ رات دن ہیں لیکن کتاب جس چیز کا نام ہوتا ہے وہ نہ کبھی پڑھتے ہیں اور شاید نہ وہ اس لذت سے آشنا ہیں۔ چنانچہ جب ہم پندرہ بیس آدمی سب ایک ساتھ ان کمروں میں پہنچے تو ایک ہُلڑ مچ گیا۔ اچھی طرح دیکھنا اور ان میں دلچسپی لینا تو خیر دور کی بات تھی ان کے منہ میں فقط کتابوں کی میناکاری اور ان پر سونے چاندی کا کیا ہوا کام دیکھ کر پانی بھر آیا۔ یہ دیکھا، وہ دیکھا۔ اِدھر بھاگے، اُدھر بھاگے الغرض ایک ڈیڑھ گھنٹہ یوں ہی ضائع کر کے چلے آئے۔ بعض حضرات نے غیر معمولی دلچسپی دکھانے اور اپنا شغف ظاہر کرنے کے لیے ساتھ میں کاغذ اور پینسل بھی لیا تھا کہ کچھ نوٹ کریں اور ان کی تاریخی اہمیت لکھیں۔ لیکن جب کتابوں کے نام اور ان کے ہجے دیکھے تو غالباً نوٹ کرنے کا خیال ترک کر دیا اور پھر کسی نے کچھ نہ لکھا۔ (ص 552)

15۔ مولانا محمد شفیع:

مولانا محمد شفیع پاکستان کے جانے پہچانے محقق اور عالم تھے۔ پیر صاحب نے ان کی شخصیت اور علمی کاموں کے حوالے سے یہ نہایت ہی دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون سہ ماہی "اردو" جنوری 1968ء میں شائع ہوا۔ مقالاتِ مولوی محمد شفیع، جلد اول (مرتبہ احمد ربانی) صفحہ 13 مجلسِ ترقی ادب لاہور۔

خاکہ: قد دراز، مضبوط کاٹھی، بدن چوڑا، چکلا کھلا ہوا، گندمی رنگ، چہرہ مہرہ مردانہ نہایت شاندار اور پر وقار، پیشانی کشادہ اور تابندہ، آنکھیں چھوٹی لیکن چمکدار اور اتنی تیز کہ تالاب لانا بڑا ہی مشکل تھا لیکن ناممکن تھا کہ ان کو گھور کے دیکھا جا سکے۔ مونچھیں مناسب حد تک لمبی اور اس دور کی یادگار جس دور میں مرد مرد دکھائی دیتے تھے۔ ان کا منہ نہایت دلکش اور ٹھوڑی بہت خوبصورت اور جاذب تھی۔ سر کے بال بھر چکے تھے۔ کنپٹیوں پر بال جتنے بھی تھے وہ سفید ہو چکے تھے۔ آواز نہایت باریک ملائم اور حریر و پرنہاں کی طرح نرم اور نازک، ایسی آواز تند و تلخ کمنی کا ہے کو ہوتی ہو گی، سراسر مشفقانہ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی یہ آواز تھی (ص 5)۔

16۔ پنبہ کجا کجا نہم:

شاہد احمد دہلوی اردو کے مشہور ادیب اور "ساقی" کے بانی و مدیر تھے۔ یہ رسالہ انہوں نے دہلی سے جاری کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد شاہد احمد صاحب بھی کراچی پہنچے اور یہیں سے "ساقی" کو پھر سے جاری کیا۔ ان کی وفات کراچی میں 27 مئی 1967ء کو ہوئی۔ راشدی صاحب نے ان کی یاد میں نہایت ہی دلچسپ مضمون لکھا۔ یہ مضمون ساقی کے "شاہد احمد دہلوی نمبر" میں سال 1970ء میں شائع ہوا۔ یہ خاص شمارہ مشہور ادیب، محقق اور اسکالر ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے ایڈٹ کیا۔ اگر اردو کی بہترین نثری تحریروں کا کوئی انتخاب ہو تو اس میں راشدی صاحب کا یہ مضمون، یقیناً سرِ فہرست ہو گا۔

17۔ ہمارا تعلیمی نظام اور ماحول:

یہ مضمون گورنمنٹ اردو کالج کراچی کے مجلّہ "برگِ گل" میں سال 1975-1974ء میں، پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کی زیرِ ادارت شائع ہوا۔ یہ مجلّے کا تعلیمی پالیسی نمبر، اشاعت خاص، بہ سلسلہ سلور جوبلی اردو کالج چھپا تھا۔

18۔سندھ کے تاریخی اور سیاسی مکتوبات:

یہ مضمون سال 1973ء میں پہلے پاکستان، ہسٹری اینڈ کلچر کانگریس منعقدہ اسلام اباد میں پڑھا گیا۔ جس کو ڈاکٹر احمد حسن دانی صاحب نے کانگریس کی روداد جلدِ اول میں شامل کیا۔ روداد سال 1975ء میں اسلام آباد یونیورسٹی پریس (اب قائداعظم یونیورسٹی) سے چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس مضمون میں کلہوڑا اور تالپور ادوار میں لکھے گئے تاریخی اور سیاسی مکتوبات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ میں نے اس اہم پیپر کا سندھی ترجمہ کیا اور رسالہ "مہران" میں شائع کیا۔ (1-1987ء)۔

19۔اردو شعراء کے تذکرے کچھ گذارشات:

سید معین الدین شاہ قادری صاحب کا ایک مضمون "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" اردو نامہ، شمارہ 51 میں شائع ہوا۔ راشدی صاحب نے اس مضمون کے حوالے سے بعض باتوں کی وضاحت لکھی۔ یہ وضاحت (مضمون نما خط) مذکورہ میگزین کے جون 1976ء (نمبر 53) کے پرچے میں چھپی۔

20۔اصفہان کی ایک یادگار شام:

سید حسام الدین راشدی سال 1974ء میں ایران گئے۔ اس وقت آپ نے اصفہان کے بعض تاریخی مقامات بڑے غور سے دیکھے۔ وطن واپسی کے بعد آپ نے قلم اٹھایا اور اصفہان کے کچھ تاریخی اور ثقافتی پہلو اجاگر کرنے کے لئے یہ مضمون لکھا۔ اسلام آباد میں قائم "مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان" نے سال 1977ء میں ایک کتاب "پیوندھانی فرہنگی ایران و پاکستان" شائع کی ہے۔ یہ کتاب جناب بشیر احمد ڈار نے مرتب کی۔ اس کتاب میں راشدی صاحب کا یہ مضمون شائع ہوا ہے۔

21۔سلطان محمود بکھری کی زندگی کا ایک پہلو:

یہ مقالہ اصل فارسی میں لکھا گیا اور سال 1972ء میں ایران شناسی کی دوسری بین الاقوامی کانگریس منعقدہ تہران میں پڑھا گیا۔ اس میں شمالی سندھ کے ایک حاکم سلطان محمود کی زندگی کے ایک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس اہم مضمون کا اردو ترجمہ خود مصنف نے کیا، جس کو ملک کے نامور دانشور اور بزرگ ادیب جناب احمد ندیم قاسمی نے اپنی مرتب کی ہوئی کتاب "نذرِ حمید احمد خان" میں شامل کیا۔ یہ کتاب مجلسِ ترقیِ ادب لاہور نے 1980ء میں شائع کی۔ فارسی مقالہ راشدی صاحب کی وفات کے بعد "دانش" اسلام آباد (نمبر 9، بہار 1366 ش ھ) میں بہ اہتمام سید عارف نوشاہی شائع ہوا۔

حسام الدین راشدی کی خدمات کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے سندھ میں اردو زبان و ادب کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

حوالہ جات

1۔ مؤلف۔۔۔۔ پیر حسام الدین راشدی کو علم سے عشق تھا، ماہنامہ قومی زبان کراچی، دسمبر 1982ء، پیر حسام الدین راشدی مرحوم نمبر، انجمنِ ترقی اردو کراچی۔ صفحہ 98۔

2۔ اسرار احمد سومرو "اردو زبان کا بہی خواہ پیر حسام الدین راشدی" سرہان میگزین 2-2001 (اردو سیکشن) گورنمینٹ ڈگری کالج رتودیرو لاڑکانہ صفحہ 24۔

3۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، اردو کے پیر، ماہنامہ قومی زبان کراچی 84۔

4۔ پیر سید حسام الدین راشدی پنبہ کجا کجا نہم، ماہنامہ قومی زبان کراچی دسمبر 1982ء صفحہ 36-35۔

5۔ مرتب غلام محمد لاکھو، پیر سید حسام الدین راشدی، مقالات راشدی، انسٹیٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز جامعہ کراچی 2002ء، صفحہ 138۔

6۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، اردو کے پیر، ماہنامہ قومی زبان کراچی دسمبر 1982ء، پیر حسام الدین راشدی مرحوم نمبر، انجمنِ ترقی ءاردو کراچی۔ صفحہ 88۔

7۔ عبدالرؤف عروج، سید حسام الدین راشدی، ماہنامہ قومی زبان کراچی دسمبر 1982ء، پیر حسام الدین راشدی مرحوم نمبر، انجمنِ ترقی ءاردو کراچی۔ صفحہ 94۔

8۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، اردو کے پیر، ماہنامہ قومی زبان کراچی دسمبر 1982ء، پیر حسام الدین راشدی مرحوم نمبر، انجمنِ ترقی ءاردو کراچی۔ صفحہ 89،88۔

9۔ مرتب غلام محمد لاکھو، مقالاتِ راشدی 2002ء، انسٹیٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، جامعہ کراچی، صفحہ 16-09۔